بسم اللہ الرحمن الرحیم

ممتاز قادری کیس میں سپریم کورٹ آف پاکستان کے فیصلے کا شرعی جائزہ

علامہ محمد خلیل الرحمٰن قادری

ناظم اعلیٰ، جامعہ اسلامیہ لاہور

نائب ناظم اعلیٰ، ملی مجلس شرعی پاکستان

ممبر، مرکزی رویت ہلال کمیٹی پاکستان

ممتاز قادری

کیس میں

سپریم کورٹ آف پاکستان

کے فیصلے کا

شرعی جائزہ

علامہ محمد خلیل الرحمٰن قادری

ناظم اعلیٰ ، جامعہ اسلامیہ لاہور
نائب ناظم اعلیٰ ، ملی مجلس شرعی پاکستان
ممبر ، مرکزی رویئت ہلال کمیٹی پاکستان

ممتاز قادری کیس میں

سپریم کورٹ آف پاکستان کے فیصلے کا شرعی جائزہ

اس سے قبل جب غازی ممتاز حسین قادری کیس میں اسلام آباد ہائی کورٹ کے ڈویژن بنچ نے غازی صاحب کی اپیل پر فیصلہ سنایا تھا تو ہم نے بتوفیق الٰہی اس کا شرعی جائزہ لیتے ہوئے چند صفحات قلمبند کیے تھے جنہیں بے حد پذیرائی ملی۔سب سے پہلے ملی مجلس شرعی نے معمولی حک واضافہ کے ساتھ اسے تمام مکاتب فکر کے علمائے کرام کی خدمت میں بھیجا جنہوں نے اس کی تائید فرمائی پھر ملی یکجہتی کونسل میں اسے پیش کیا گیا اور کونسل میں شامل مختلف جماعتوں کے قائدین نے بھی اس کی تائید فرمائی اور اسلام آباد ہائی کورٹ کے ڈویژن بنچ کے فیصلے کو غیر شرعی ہونے کی بنا پر مسترد کر دیا۔ بعدازاں یہ شرعی جائزہ سوشل میڈیا میں ہر سو پھیل گیا اور سپریم کورٹ آف پاکستان میں بھی دوران سماعت اس کا ذکر کیا گیا اور اسے فاضل جج صاحبان کو بھی پیش کیا گیا۔

اس شرعی جائزے کی بنیاد پر غازی صاحب کے وکیل محترم جسٹس (ر) میاں نذیر اختر نے سپریم کورٹ آف پاکستان کے فاضل جج صاحبان کو متوجہ کیا کہ اسلام آباد ہائی کورٹ کے ڈویژن بنچ کے فیصلے کے پیراگراف نمبر 28,29,30 انتہائی قابل اعتراض ہیں اور اس سے مسلمہ اسلامی تعلیمات کا حلیہ بگڑ سکتا ہے اور شریعت اسلامیہ کا ڈسپلن خراب ہوسکتا ہے۔ چنانچہ فاضل جج صاحبان نے ان پیرا گراف کو فیصلے سے حذف کرنے کا عندیہ دیا اور فیصلے میں ان کا ذکر بھی کیا لیکن بوجوہ وہ انہیں کالعدم قرار دینے کی بابت کوئی فیصلہ نہ کر پائے اور اس معاملہ کو اپنے تفصیلی فیصلے میں تشنہ چھوڑ دیا۔اس طرح اس جائزے کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ سپریم کورٹ آف پاکستان کے فاضل جج صاحبان نے ان من مانی اور باطل تاویلات کا سہارا نہیں لیا جن کا سہارا اسلام آباد ہائی کورٹ کے ڈویژن بنچ کے جج صاحبان نے لیا تھا البتہ انہوں نے اپنے تفصیلی فیصلہ میں جو نتائج اخذ کیے ہیں ان کا واضح سبب یہ

نظر آتا ہے کہ انہیں اسلامی قوانین سے ضروری آگاہی بھی حاصل نہیں ہے۔ بعض مقامات پر انہوں نے غازی صاحب کے فاضل وکلاء کی طرف سے پیش کردہ تحریری مواد کو سطحی انداز سے دیکھا اور باریک بینی کے ساتھ ان کی گہرائی میں جانے سے معذور رہے پھر انہوں نے علوم اسلامیہ کے عظیم ذخیرے سے فائدہ اٹھانے کی بجائے موہوم و مفروض نتائج اخذ کر کے فیصلہ سنا دیا۔ انہوں نے اگرچہ اپنے فیصلے میں اس مسئلہ پر گفتگو کی کہ سلمان تاثیر کی طرف سے توہین رسالت کے قانون کو کالا قانون کہنا توہین رسالت بنتی ہے یا نہیں، لیکن فاضل جج صاحبان اس مسئلہ کو اسلامی قوانین کے تناظر میں سمجھنے سے معذور رہے۔ نتائج کے اعتبار سے یہ فیصلہ اسلام آباد ہائی کورٹ کے ڈویژن بنچ کے فیصلے سے بھی زیادہ خطرناک ہے کیونکہ اسکی رو سے غازی ممتاز حسین قادری کو دہشت گردی کے جرم پر دی گئی سزائے موت کو بحال کر دیا گیا ہے جسے اسلام آباد ہائی کورٹ کے ڈویژن بنچ نے کالعدم قرار دے دیا تھا۔ مزید برآں اس سے نہ صرف اسلامی قوانین کی فائق اور برتر حیثیت مجروح ہو گئی ہے بلکہ بعض مقامات پر یہاں بھی واضح شرعی احکام کو نہ سمجھنے کی بنیاد پر بالکل خلاف شریعت نتائج اخذ کیے گئے ہیں اور سب سے بڑھ کر توہین رسالت کے معاملہ کو ملتبس کر کے توہین کرنے کا قانونی جواز مہیا کر دیا گیا ہے۔

لہٰذا اندریں صورت اس شرعی فیصلے پر ایک جائزہ قلمبند کر دیا ہے اگر صدق دل اور خلوص نیت کیساتھ اسے پڑھ لیا جائے تو درست نتائج تک پہنچنا قطعاً دشوار نہیں رہے گا۔

1- ممتاز قادری کا اقدام اسلامی قوانین کی رو سے جائز ہے:

غازی ممتاز حسین قادری کے وکلاء نے یہ دلیل پیش کی تھی کہ غازی صاحب نے سلمان تاثیر کو قتل کر کے کوئی جرم نہیں کیا کیونکہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ 79 کی رو سے یہ کوئی جرم نہیں قرار پاتا جس میں واضح طور پر یہ بات موجود ہے کہ ایسا کوئی بھی فعل جرم نہیں ہے اگر اس کا مرتکب ایسا کرنے میں قانونی طور پر حق بجانب ہو اور اسلامی قوانین کی رو سے غازی صاحب اس کو قتل کرنے میں حق بجانب تھے کیونکہ مقتول شاتم ہونے کی بنا پر مباح الدم تھا۔

غازی ممتاز حسین قادری کے وکلاء کی طرف سے یہ دلیل بھی پیش کی گئی کہ اگر درحقیقت سلمان تاثیر نے اس طرح توہین رسالت کا ارتکاب نہ بھی کیا ہو جیسا کہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295-c کے مفہوم میں شامل ہے تو اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ غازی ممتاز حسین قادری نے غلطی کی بنا پر یہ بات سمجھ لی کہ تاثیر نے توہین رسالت کے جرم کا ارتکاب کیا ہے لہٰذا اس صورت میں بھی اس نے سلمان تاثیر کو قتل کر کے کوئی جرم نہیں کیا کیونکہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ 79 کے تحت اس کا یہ اقدام جرم نہیں قرار پاتا۔ تعزیرات پاکستان کی دفعہ 79 ملاحظہ ہو:

Act done by person justified, or by mistake of fact believing himself justified, by law. Nothing is an offence which is done by any person who is justified by law, or who by reason of a mistake of fact and not by reason of a mistake of law in good faith, believes himself to be justified by law, in doing it. (Judgement ,Page No.18)

(ترجمہ): ''کوئی بھی فعل جرم نہیں اگر اس کا مرتکب ایسا کرنے میں قانونی طور پر حق بجانب ہو یا وہ واقعاتی غلطی کی وجہ سے، نہ کہ قانون کی غلطی کی بنیاد پر، اچھے اعتقاد کے ساتھ خود کو ایسا کرنے میں حق بجانب سمجھتا ہو۔''

عدالت نے ان دلیلوں کو رد کرتے ہوئے لکھا ہے:

As regards the first part of section 79, PPC the accused person has to refer to and rely upon some express and existing legal provision which makes his act justified by law. In the presesnt case the learned counsel for the appellant has not been able to refer to any express and existing legal provision in the entire body of laws of this country authorizing any person to kill another person on his own because such other person had, or was perceived to have committed the offence of blasphemy.

(Judgement page No 19)

(ترجمہ) ''جہاں تک دفعہ 79 کے پہلے حصے کا تعلق ہے تو ملزم کو مروجہ قانون سے کوئی ایسی دفعہ پیش کرنی چاہیے جو کہ صریح ہو اور اس پر انحصار کرتے ہوئے اس کے اقدام کو قانون کے مطابق مبنی بر جواز قرار دیا جاسکے۔ موجودہ مقدمہ میں اپیل کنندہ کے فاضل وکیل اس ملک کے موجودہ قانونی انتظام میں سے ایک بھی ایسی دفعہ پیش نہ کر سکے جو صریح اور رائج ہو اور کسی شخص کو یہ اختیار دیتی ہو کہ وہ دوسرے شخص کو از خود اس بنیاد پر قتل کر سکتا ہے کہ اس شخص (مقتول) نے حقیقتاً یا قتل کرنے والے کے خیال کے مطابق توہین رسالت کے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔''

عدالت یہ بات کہنے میں حق بجانب نہیں ہے کیونکہ اسلامی قانون کے مطابق کسی مباح الدم شخص کو ماورائے عدالت قتل کرنا جائز ہے اور اس ضمن میں موجود اسلامی قوانین کو صراحت کے ساتھ عدالت کے سامنے رکھا گیا اور انہیں پیش کیے جانے والے تحریری مواد میں بھی بیان کیا گیا تھا۔ اسلامی قانون ملک کا سپریم لا ہے جس پر مروجہ قانون کی کئی صریح دفعات شاہد و عادل ہیں۔ یہی نہیں بلکہ آئین پاکستان کے کئی آرٹیکل بھی اس حقیقت کو بغیر کسی تردد اور التباس کے بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ ان دفعات سے چشم پوشی کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ عدالت نے اسلامی قوانین کو ملک کا سپریم لا قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

مروجہ قوانین کی کسی صریح دفعہ پر انحصار ضروری نہیں:

اگر اس اسلامی قانون کے ہوتے ہوئے بھی عدالت کسی رائج قانون کی صریح دفعہ کی تلاش میں ہے تو یہ کسی اعتبار سے بھی درست نہیں۔

1- بمطابق نفاذ شریعت ایکٹ (ایکٹ نمبر x-1991) اسلامی قانون ملکِ پاکستان کا بالاترین قانون (سپریم لاء) ہے، یہ بات اسلام آباد ہائی کورٹ نے اپنے فیصلے کے پیرا نمبر 41 (صفحہ نمبر 80) میں تسلیم کی ہے۔ جہاں کسی بھی رائج قانون کا اسلامی قانون سے تعارض ہوگا تو عدالت، اسلامی قانون کو ترجیح دے گی اور اس کے مطابق فیصلہ کرے گی۔ اسی طرح قوانین کی تعبیر و تشریح بھی اسلامی قانون کے مطابق کی جائے گی۔

-2 قانون کی دفعہ 79 جامع اور عمومی ہے اور اس سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے رائج قانون کی کسی صریح قانونی دفعہ کے مطابق یہ ثابت کرنا ضروری نہیں کہ ملزم کا اقدام مبنی بر جواز تھا بلکہ اس دفعہ میں مطلق قانون کی بات کی گئی ہے اور اس میں اسلامی قوانین بطریق اولی شامل ہیں خواہ یہ بصراحت رائج نہ بھی ہوں کیونکہ ان کی حقیقت ملک کے سپریم لا کی ہے، جس کا واضح مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی بات اسلامی قوانین کی رو سے جائز ہو اور رائج قوانین کی رو سے جائز نہ بھی ہو تو اسلامی قوانین کو حاصل قانونی اور آئینی فوقیت کا تقاضہ یہ ہے کہ عدالت اسے جائز تسلیم کرے ورنہ قانون اور آئین سے انحراف لازم آئے گا۔ الغرض رائج قوانین سے تعارض یا کسی مسئلہ پر رائج قوانین کا خاموش ہونا اور اسلامی قوانین میں اس کا بصراحت مذکور ہونا یا رائج قوانین سے مختلف ہونا یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس مسئلہ کو اسلامی قوانین کے تناظر میں دیکھا جائے اور فیصلہ بھی اسلامی قوانین کے مطابق کیا جائے۔

-3 تعزیرات پاکستان کی دفعہ 79 جامع اور عمومی ہے جو ایسے ملزم کو فائدہ دیتی ہے جس کا اقدام کسی بھی جرم کے ارتکاب کی صورت میں قانوناً مبنی بر جواز ہو۔ لہٰذا عدالت کا یہ فریضہ بنتا ہے کہ وہ اس قانونی دفعہ کے جامع اور عمومی اطلاق کو یقینی بنائے۔ اگر یہاں صرف رائج اور صریح قوانین ہی مراد ہوتے تو اس دفعہ کی قطعاً ضرورت نہ تھی کیونکہ ہر صریح اور رائج دفعہ فی نفسہ ہی ملزم کو یہ فائدہ دینے کے لیے کافی تھی۔ جیسے تعزیرات پاکستان کی دفعہ 97 ایسے شخص کو فائدہ دیتی ہے جس نے اپنی جان اپنی جائیداد یا کسی دوسرے کی جان کے تحفظ کی خاطر قتل کیا ہو۔ یہ ایک مخصوص صورتحال کے لیے خاص قانون ہے جس کے بعد کسی بھی ملزم کو دفعہ 79 کے تحت فائدہ حاصل کرنے حاجت ہی نہیں رہتی تو اس صورت میں یہ ایک غیر ضروری دفعہ قرار پائے گی جبکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس کا عموم اور جامعیت یہ تقاضا کرتے ہیں کہ یہاں مطلق قانون کی بات کی جائے نہ

کہ رائج اور صریح قانونی دفعات کی بلکہ ہر وہ قانون اس میں شامل کیا جائے جو آئینی اور قانونی تعریف اور عدالتی فیصلوں کی رو سے قانون قرار پاتا ہے اور قانون کی تعریف کے دائرے میں آتا ہے چاہے وہ صریح نہ بھی ہو بلکہ غیر صریح یعنی Implied ہو یا براہ راست رائج نہ بھی ہو جیسے اسلامی قوانین کی کئی دفعات ہیں جبکہ کوئی بھی عدالت ان دفعات کو نظر انداز نہیں کر سکتی بلکہ انہیں فائق اور برتر قانون مانتے ہوئے ان کی رو سے فیصلہ کرنے کی پابند ہے۔

2- توہین رسالت کی تصدیق اور ثبوت کے بغیر شاتم کو قتل کرنا:

غازی ممتاز حسین قادری کے وکلا کی طرف سے عدالت میں داخل کیے گئے تحریری مواد پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ کہا گیا ہے کہ زیر غور مقدمہ میں اصل سوال یہ ہے کہ کیا کسی ایسے شخص کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ کسی دوسرے کو از خود اقدام کرتے ہوئے قتل کرنے میں حق بجانب ہے یا نہیں، جب کہ اس کے اقدام کی بنیاد یہ ہو کہ قتل کرنے والے کے ذاتی غیر مصدقہ تاثر اور غیر ثابت شدہ تصور کے مطابق مقتول نے توہین رسالت کا ارتکاب کیا ہو۔ اس کے بعد عدالت نے وکلاء کی طرف سے پیش کیے گئے تحریری حوالہ جات اور مواد کی بابت لکھا:

A close and careful examination of all the references made and the religious material produced in this case by the appellant and his learned counsel shows , and shows quite clearly and unmistakably, that such references and material pertain to cases where commission of blasphemy stands established as a fact and then the discussion is about how the apostate may be treated and not a single reference made or instance refrerred to in the material produced permits killing of a person on the basis only of an unverified impression or an unestablished perception regarding commission of blasphemy.

(Judgement, Page No. 22)

(ترجمہ) ''اپیل کنندہ اور اس کے وکلا کی طرف سے اس مقدمہ میں جتنے بھی حوالہ جات اور مذہبی مواد پیش کیا گیا ہے اس کے محتاط اور گہرے ملاحظہ کے بعد یہ ظاہر ہوتا ہے اور بالکل وضاحت اور بغیر خطا کے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تمام حوالہ جات اور مواد ان مقدمات سے متعلق ہے جہاں گستاخی کا ارتکاب درحقیقت ثابت ہے اور پھر اس بات پر بحث کی گئی ہے کہ مرتد کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے جبکہ فراہم کردہ مواد میں کوئی ایک حوالہ یا واقعہ بھی ایسا پیش نہیں کیا گیا جس سے کسی ایسے شخص کو توہین رسالت کے ارتکاب پر قتل کرنے کی اجازت کا جواز ثابت ہوتا ہو جس کے ارتکاب اہانت کے تصور اور تاثر پر تصدیق اور ثبوت موجود نہ ہو۔''

عدالت کا یہ نتیجہ اخذ کرنا نہ صرف خلاف حقائق ہے بلکہ یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ فاضل جج صاحبان نے اس تحریری مواد میں ادنیٰ تدبر اور غور وفکر بھی نہیں فرمایا جو دوران سماعت انہیں پیش کیا گیا تھا۔

شاتم کی اہانت کی تصدیق کا معاملہ:

تحریری مواد میں انہیں جو واقعات حوالہ جات کیساتھ پیش کیے گئے تھے تقریباً سبھی میں قتل کرنے والوں نے مقتول شاتمین کو اپنے طور پر ہی اپنے خیال (Perception) کے مطابق گستاخ سمجھا اور کسی قاضی یا عالم سے اس کی گستاخی کی تصدیق کروائی نہ کسی عدالت کی طرف سے گستاخی ثابت ہونے کے بعد اقدام کیا، جیسے حضرت عمیر بن عدی رضی اللہ عنہ اقبیلہ خطمیہ کی شاتمہ کو قتل کرنا، حضرت عمیر بن امیہ رضی اللہ عنہ کا اپنی مشرکہ اور سابہ بہن کو از خود قتل کرنا اور نابینا صحابی کا اپنی ام ولد کو قتل کرنا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا منافق کو قتل کرنا، ان تمام واقعات میں کسی نے بھی قتل سے پہلے گستاخی کی تصدیق کسی دوسرے شخص سے نہیں کروائی اور نہ ہی یہ معاملہ قتل سے پہلے کسی عدالت میں پیش ہوا کہ جرم ثابت ہونے کا انتظار کیا جاتا۔ یہاں ضمناً یہ عرض ہے کہ اگر ان میں سے کوئی بھی معاملہ عدالت میں پیش ہو جاتا تو اقدام قتل کی نوبت ہی نہ آتی۔

اس ضمن میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ والا واقعہ بہت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ ان سے قبل وہی منافق اپنا معاملہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس بھی

لے کر گیا تھا اور اس نے اس کا ذکر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بھی کیا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو ہی حتمی کہا اور واضح کر دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے بعد کسی کو اپنے فیصلے کا اختیار نہیں لیکن اس کی اس جسارت کو گستاخی پر محمول نہ سمجھا اور نہ ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسا اقدام کیا ہے جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ایک ہی واقعہ کو دو جلیل القدر صحابہ نے اپنے اپنے Perception کے مطابق دیکھا اور پھر اپنے اپنے Perception ہی کے مطابق اقدام کیا۔ دونوں نے ہی کسی خارجی تصدیق اور ثبوت کی حاجت محسوس نہ کی اور نہ ہی یہ معاملہ غیر کی طرف لے کر گئے بلکہ اپنے اپنے Perception کے مطابق اقدام کیا اور پھر لوگوں نے دیکھا کہ عمر فاروقؓ کے اس اقدام کی تصویب خود وحیٔ الٰہی نے کر دی۔

اس پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضور ﷺ کی تو وحی الٰہی رہنمائی کرتی تھی اس لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کے ایسے اقدام کی تصویب تو ممکن تھی لیکن اب اس دور میں اگر کوئی کسی کو اپنے Perception کے مطابق شتم رسالت کا مجرم سمجھتے ہوئے قتل کر ڈالے تو اس کی تصویب کیسے اور کون کرے گا؟

بعض مقدمات کے فیصلے میں حضورؐ نے براہ راست وحی پر انحصار نہ فرمایا:

یقیناً یہ ایک اہم سوال ہے لیکن اس کا جواب دینے سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جن شاتمین کو قتل کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے اقدام کی توثیق و تصویب فرمائی ان میں بعض واقعات جیسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمیر بن عدی رضی اللہ عنہ کا واقعہ تو ایسے ہیں جہاں وحی الٰہی کے ذریعے ان کے اقدام کا صائب ہونا متحقق ہوا لیکن دیگر واقعات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی کے فراہم کردہ اصولوں کی روشنی میں ہی شاتمین کے خون کو رائیگاں قرار دینے کے فیصلے صادر فرمائے جبکہ وحی نے ان کی براہ راست تائید و تصویب نہ کی، جیسے حضرت عمیر بن امیہ رضی اللہ عنہ کا اپنی مشرکہ اور سابہ بہن کو قتل کرنا کیونکہ انہوں نے اس قتل کو مخفی رکھا تھا۔ مقتولہ کے ورثاء کو کسی اور پر شک تھا قریب تھا کہ وہ بے گناہ کو قتل کر دیتے کہ حضرت عمیر بن امیہ نے خود بارگاہ نبوت

صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ اعتراف کرلیا کہ انہوں نے خود اپنی بہن کو اس لیے قتل کیا تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کرتی تھی اور سب وشتم کرتی تھی چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بیٹوں کو بلا کر فرمایا کہ اس کا خون باطل ہے ۔اس واقعہ میں واضح طور پر یہ قرینہ موجود ہے کہ اس کا فیصلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمیر بن امیہ رضی اللہ عنہ کے اعتراف اور ان سے اس معاملہ کی تفتیش کے بعد فرمایا اور اس حوالے سے کوئی وحی نہ آئی اور نہ ہی وحی آنے کا کوئی ثبوت ملتا ہے ،اگرچہ یہ فیصلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی میں بیان کردہ اصولوں کے مطابق ہی فرمایا تھا۔اسی طرح جب نابینا صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنی ام ولد کو قتل کر ڈالا تو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ کی باز پرس کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو جمع کیا اور ان سے پوچھا کہ اس کو قتل کس نے کیا ہے؟ چنانچہ وہ نابینا صحابی رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو چیرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ تک پہنچے اور عرض کیا کہ میں اس لونڈی کا مالک ہوں ۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دیتی تھی اور برے کلمات سے بھی یاد کرتی تھی ۔ میں اسے روکتا پر یہ نہ رکتی ۔ اسے جھڑکتا باز نہ آتی اور اس سے موتیوں کی مانند میرے دو بچے ہیں اور یہ میری رفیقہ حیات تھی ۔گزشتہ رات جب اس نے آپ کو گالیاں دینا اور برا بھلا کہنا شروع کیا تو میں نے تلوار اٹھائی اور اس کو اس کے پیٹ پر رکھ کر دبا دیا اور اسے قتل کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعتراف کے بعد لوگوں سے فرمایا کہ تم گواہ ہو جاؤ کہ اس (گستاخ) کا خون رائیگاں چلا گیا ہے۔اس واقعہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فیصلہ فرمایا وہ معمول کی تفتیش اور عدالتی کاروائی کے دوران فرمایا اور اس میں کوئی کلام نہیں کہ آپ کا ہر فیصلہ وحی الٰہی کے ہی موافق ہوتا ہے۔

گستاخی کا تعین عدالت علماء کے مشورے سے کرے:

اب اس سوال کے جواب کی طرف آتے ہیں اگر بفرض محال یہ مان بھی لیا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام واقعات میں وحی الٰہی کی روشنی میں یہ پالیا تھا کہ مارنے والوں نے واقعتاً شاتم / شاتمہ کو ہی مارا ہے تو بھی یہ ہونا چاہیے کہ اگر کوئی اپنے Perception کے مطابق کسی کو شاتم سمجھ کر از خود کاروائی کرتے

ہوئے بغیر کسی خارجی تصدیق یا ثبوت جرم کے قتل کر دیتا ہے تو ایسا اقدام کرنے والے کے دعوے کی تصدیق کرلی جائے اور صاف ظاہر ہے کہ عدالت کو اس تصدیق کے لیے کسی قابل عالم یا علماء کے پینل سے رجوع کرنا چاہیے جو کہ کتاب وسنت کی تصریحات کے مطابق یہ تعین کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں کہ گستاخی کا صدور ہوا ہے یا نہیں؟ ایک ایسی عدالت جس کے جج صاحبان اسلامی قوانین سے واقف نہ ہوں بلکہ اس کی بنیادی اصطلاحات جیسے سب وشتم، ارتداد، ارتدادِ مغلظہ، استخفاف شریعت اور استہزاء سے بھی واقف نہ ہوں ان سے بعید ہے کہ وہ اس معاملہ میں انصاف کرسکیں۔ فاضل جج صاحبان میں اس استعداد کا معدوم ہونا اس بات سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ دوران سماعت جب بھی ان کے سامنے کوئی شرعی معاملہ رکھا جاتا تو وہ یہ کہتے کہ یہ وفاقی شرعی عدالت اور اسلامی نظریاتی کونسل کے دائرے کے معاملات ہیں۔ انہوں نے اپنے فیصلے میں ہائی کورٹ لاہور کے ڈویژنل بنچ کے جس فیصلے کا ذکر کیا ہے اس میں واضح طور پر انسپکٹر جنرل پولیس پنجاب کو ہدایت کی گئی ہے کہ جب 295-c کے تحت مقدمہ درج ہو تو اس کی تفتیش کم ازکم دو گزٹیڈ آفیسرز کے سپرد کی جائے جو ترجیحاً اسلامی قوانین سے بخوبی آگاہ ہوں اور اگر وہ خود اسلامی قوانین سے آگاہ نہ ہوں تو ان کے ساتھ ایک ایسے عالم کو شامل کیا جائے جس کی شہرت اور دیانتداری مسلمہ ہو، پھر یہ ٹیم تفتیش کرے کہ جرم کا ارتکاب ہوا تھا کہ نہیں۔

تعجب ہے کہ سلمان تاثیر کی اہانت کو متعین کرنے کے لیے فاضل جج صاحبان نے کسی مسلمہ دیانتدار اور اچھی شہرت کے مالک عالم یا علماء کے پینل کی طرف کیوں نہ رجوع کیا؟ جبکہ ان کی اسلامی قوانین سے عدم واقفیت اظہر من الشمس ہے اور جس کی ناقابل تردید دلیل یہ ہے کہ انہوں نے سلمان تاثیر کو کلین چٹ دیتے وقت اسلامی قانون کی کسی شق کا ذکر نہیں کیا۔ اس کی مزید تفصیل آگے آئے گی۔

3- قانون توہین رسالت کو کالا کہنا بھی توہین رسالت ہی ہے:

فاضل جج صاحبان نے فیصلہ میں لکھا ہے کہ جب اپیل کنندہ کے فاضل

وکلاء سے یہ مخصوص سوال پوچھا گیا تو انہوں نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس نام کی توہین کرنا ہی توہین رسالت نہیں بلکہ توہین رسالت کے قانون پر تنقید کرنا بھی توہین رسالت ہی ہے۔ یہاں ہم یہ بات ریکارڈ پر لانا چاہتے ہیں کہ اس نکتہ نظر کی تائید میں اپیل کنندہ کے فاضل وکلاء نے کسی بھی الہامی نوعیت کے اقتباس (یعنی قرآن وسنت کی نصوص) پر انحصار نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے جو حوالہ جات دیئے ہیں وہ انسانی نوعیت کے (اقوال امت) ہیں اور عالمانہ تشریحات پر مبنی ہیں۔ پھر لکھتے ہیں:

We have found it difficult to act in this case on the basis of a definition of blasphemy advanced by the learned counsel for the appellant which definition travels beyond the scope of the statutory definition of the same in the law of the land . Apart from that in a democratic society citizens have a right to contend, debate or maintain that a law has not been correctly framed by the state in terms of the mischief sought to be suppressed or that the law promulgated by the state ought to contain adequate safeguards against its misapplication or misuse by motivated persons .(Judgement page No 23)

(ترجمہ): ''ہمیں یہ بات محال نظر آتی ہے کہ ہم اس مقدمہ میں اپیل کنندہ کے فاضل وکلاء کی طرف سے کی گئی توہین رسالت کی تعریف پر عمل کریں کیونکہ یہ تعریف ہمارے ہاں رائج قانون توہین رسالت کے دائرے سے باہر ہے۔ اس کے علاوہ ایک جمہوری معاشرے میں شہریوں کا حق ہے کہ وہ اس بات پر بحث کریں، رائے رکھیں یا دلیل دیں اگر کوئی قانون ریاست نے درست طور پر وضع نہیں کیا، اس اعتبار سے کہ اس سے ہونے والے نقصان کا تدارک کیا جا سکے یا ریاست کے وضع کردہ قانون کے غلط اطلاق اور جذبات سے مغلوب لوگوں کی طرف سے اس کے غلط استعمال کے خلاف کافی حفاظتی انتظام بھی کیے جاسکیں۔''

عدالت کے فیصلے کے اس حصہ کی ایک ایک سطر میں کئی مغالطے پنہاں ہیں۔جن کا قدرے تفصیلی ذکر ہم کیے دیتے ہیں:

1- کتاب وسنت کی نصوص پر براہ راست انحصار ضروری نہیں:

یہ بات ثابت کرنے کے لئے کہ کسی بھی شخص کا کوئی فعل یا قول توہین رسالت کے زمرے میں آتا ہے یا نہیں اس کے لئے کتاب وسنت کی نصوص صریح پر براہ راست انحصار ضروری نہیں ہے جن لوگوں کے کفر یا توہین رسالت کو قرآن و سنت میں منصوصاً بیان کیا گیا ہے انہی سے استباط اور استشہاد کرتے ہوئے کسی بھی شخص کی طرف سے کی جانے والی توہین رسالت کا جائزہ اہل علم لیتے ہیں۔اس لیے عدالت کا یہ کہنا کہ سلمان تاثیر کی توہین رسالت کے قانون پر تنقیص وتعریض توہین رسالت کے زمرے میں آتی ہے یا نہیں،اس کا تعین کتاب وسنت کی نصوص سے کرنا یا اس کا مطالبہ کرنا ایک امر محال کا مطالبہ کرنا ہے کیونکہ جو واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات مبارکہ کے بعد پیش آیا اس کا کتاب وسنت میں منصوصاً مذکور ہونا نہ تو ممکن ہے اور نہ ہی کسی کے جرم کے ثبوت کیلئے ضروری ہے۔

2-اجتہاد اور قیاس بھی ماخذ شریعت ہیں:

جب یہ بات واضح ہوگئی تو پھر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس کا تعین اہل علم کریں گے کہ کوئی تعریضی کلمہ یا توہین وتنقیص پر مبنی کونسا قول وفعل گستاخی کے زمرے میں آتا ہے یا نہیں؟ البتہ وہ کتاب وسنت سے استنباط یا استشہاد یا پھر اجتہاد کرتے ہوئے یہ تعین کریں گے۔لہٰذا ان کی رائے کو بلا دلیل غیر وقیع سمجھتے ہوئے قبول نہ کرنا ایسا ہی ہے کہ آپ شرعی احکام کے دو اہم ماخذ سے ہاتھ دھو بیٹھیں جنہیں اصطلاحاً اجماع اور اجتہاد وقیاس کہا جاتا ہے۔صاف ظاہر ہے کہ اجتہاد انہی معاملات میں کیا جاتا ہے جن میں کتاب وسنت سے کوئی واضح راستہ نہیں ملتا اور شریعت اسلامیہ میں اس کی اجازت دی گئی ہے اور اسے چوتھے ماخذ شریعت کے طور پر مانا گیا ہے۔جب کسی ایک قیاس یا اجتہاد پر معاصر علماء متفق ہو جائیں تو یہ

اجماع کہلاتا ہے اور صاف ظاہر ہے کہ اجماع کا درجہ قیاس اور اجتہاد سے بلند ہے اور یہ تیسرا ماخذ شریعت ہے اور یہ بات بالکل مبرہن ہے کہ یہ دونوں ماخذ اقوال امت یعنی اہل علم کے اقوال پر مبنی ہیں۔ جنہیں عدالت نے انسانی اقوال یا عالمانہ تشریحات قرار دے کر اڑا دیا ہے۔ اس سے بھی یہ بات بخوبی آشکار ہوتی ہے کہ فا ضل جج صاحبان کو اسلامی قوانین کی کتنی سوجھ بوجھ ہے جبکہ وہ اسلامی قوانین کے دو اہم ماخذ کی اہمیت کے بارے میں بھی نہیں جانتے۔

جج صاحبان یہ سطور لکھتے ہوئے وہ آیت بھی پیش نظر نہ رکھ سکے جسے انہوں نے اپنے فیصلے کے آغاز میں نقل کیا تھا سورۃ النساء کی آیت نمبر ۸۳ ملاحظہ فرمائیں جس میں واضح طور پر اہل ایمان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر انہیں خوف یا امن کے متعلق کوئی اطلاع موصول ہو تو اسے فوری نشر نہ کریں بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا اولی الامر کے سپرد کریں وہ اولی الامر جو استنباط کر سکتے ہیں اور معاملہ کی تہہ تک پہنچ سکتے ہیں۔

واذا جأء هم امر من الامن او الخوف اذا عوابه ، ولو ردوه الى الرسول و اولى الامر منهم لعلمه الذين يستنبطونه منهم ، ولو لا فضل الله عليكم و رحمته لا تبعتم الشيطن الا قليلاً (النساء:۸۳)

اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر پہنچتی ہے تو اسے مشہور کر دیتے ہیں اور اگر اس کو پیغمبر اور اپنے سرداروں کے پاس پہنچاتے تو تحقیق کرنے والے اس کی تحقیق کر لیتے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو چند اشخاص کے سوا سب شیطان کے پیروی کرتے۔

اس آیت مبارکہ میں مشتبہ اور معضل معاملات کو اہل استنباط کی طرف لوٹانے کی واضح ہدایت ہے اور صاف ظاہر ہے کہ یہ اولی الامر اور اہل استنباط غیر نبی ہیں اور انسان ہی ہیں اس طرح اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں ان اہل علم

کے راستے کو مومنین کا راستہ قرار دیا ہے اور ان کے راستے کے سوا کسی غیر کے راستے کی پیروی کرنے والوں کو سخت وعید سنائی ہے۔

و من یشاقق الرسول من بعد ماتبین لہ الھدی و یتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولی و نصلہ جھنم ، وسآء ت مصیراً (النساء:۱۱۵)

جو رسول کے خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مومنوں کی راہ سے جدا راہ پر چلے، ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری جگہ ہے پلٹنے کی۔

3- خود بلا دلیل شرعی فیصلہ کر دیا:

یہاں فاضل جج صاحبان کو داد دینی پڑے گی کہ وہ سلمان تاثیر پر گستاخی کے الزام کو ثابت کرنے کے لیے تو مستند علماء کے اقوال کو لائق اعتناء نہیں سمجھ رہے اور قرآنی نصوص کا مطالبہ فرما رہے ہیں لیکن دوسری طرف اسے اسی الزام سے بری کرنے کے لیے اپنی رائے پر مطلقاً انحصار کر رہے ہیں اور رائے بھی وہ جس کی بنیاد کتاب وسنت کی کوئی دلیل حتیٰ کہ علمائے امت کی تشریحات پر بھی نہیں، کاش وہ یہ معاملہ متعین کرنے کے لیے علمائے امت سے ہی رجوع کر لیتے۔

4- استخفاف شریعت بھی کفر ہے:

فاضل جج صاحبان کو جو تحریری مواد دیا گیا تھا اس میں وہ نصوص قرآنی موجود ہیں جن کی بنیاد پر استخفاف شریعت کا جرم ثابت ہوتا ہے اور انہیں یہ امت کے مسلمہ مفسرین، شارحین اور فقہاء کی آراء کے ساتھ واضح اور آشکار کیا گیا تھا۔ مزید برآں کسی شرعی حد کو کالا قانون کہنے کا حکم شرعی بیان کیا گیا تھا اور توہین رسالت کے قانون کو کالا قانون کہنے سے کیسے توہین رسالت ثابت ہوتی ہے یہ سب کچھ آشکار کیا گیا تھا۔ لیکن فاضل جج صاحبان نے نامعلوم مصلحتوں کی بناء پر اس عظیم علمی ذخیرے کو ٹھکرا دیا اور اس کے مقابل اپنی رائے پر انحصار کیا جس رائے کی تائید اخلاف امت میں سے کوئی بھی دیانتدار اور اچھی شہرت کا حامل صاحب علم نہیں کر سکتا اور نہ ہی اسلاف امت میں سے کسی نے کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فاضل جج

صاحبان بھی اپنی اس متفرد رائے پر کتاب وسنت کی نصوص تو کجا اقوال امت میں سے ایک قول بھی نہیں لا سکے۔

5- تنقید اور تنقیص میں فرق ہے:

اس سنجیدہ اور اہم معاملے کو فاضل جج صاحبان نے اس قدر تساہل سے دیکھا ہے کہ وہ تنقید اور تنقیص میں بھی فرق نہیں کر سکے۔ سلمان تاثیر کا قانون توہین رسالت کو کالا قانون کہنا پھر اسے ظالمانہ قرار دینا پھر اسے ناپسندیدہ قرار دینا، یہ تنقید نہیں بلکہ تعریض و تنقیص ہے۔ اگر اسے کالا قانون کہا جائے گا تو اس سے کتاب وسنت کی توہین لازم آئے گی کیونکہ اس قانون کے مصادر کتاب وسنت ہی ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی قانون کی تنقیص کو اس کے مصادر کی تنقیص پر محمول نہ کیا جائے؟ پھر یہ بات بھی واضح ہے کہ اس قانون کو کالا قانون کہنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فیصلوں کی بھی تنقیص لازم آتی ہے جن کی رو سے شاتمین کو موت کی سزا دی گئی یا ان کے قتل کو مباح قرار دیا گیا۔ ہم پہلے یہ بات نقل کر چکے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منافق کی اس بات کو تنقیص رسالت سمجھتے ہوئے اسے قتل کر دیا تھا کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر دل میں تنگی محسوس کی تھی اور اس پر نظر ثانی چاہی تھی، اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے بارے میں یہ بھی نہیں کہا تھا کہ یہ کالے قانون کے تحت کیا گیا فیصلہ ہے (معاذ اللہ)۔ اس سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آجاتی ہے کہ قانون توہین رسالت کو کالا کہنا تنقید نہیں بلکہ تعریض و تنقیص ہے اور اس تنقیص و توہین کا درجہ شدت میں اس منافق کی طرف سے کی گئی توہین و تنقیص سے بڑھا ہوا ہے جسے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے توہین رسالت کے جرم پر قتل کیا تھا۔

6- عدالت کا خلجان:

یہاں عدالت کا ذہنی خلجان واضح طور پر نظر آتا ہے کہ ایک طرف تو وہ فاضل وکلاء کی طرف سے کی گئی توہین رسالت کی اس تعریف کو اس لیے نہیں مان رہے کہ انہوں نے یہ تعریف کرتے ہوئے کتاب وسنت کی نصوص پر انحصار نہیں کیا تھا یا یہ کہ یہ تعریف ملک میں رائج قانون یعنی 295.c کے دائرے سے باہر ہے

(اگر چہ یہ دونوں باتیں بلا دلیل ہیں اور ان پر بھی وہ کوئی دلیل پیش نہیں کر سکے)۔ جبکہ دوسری طرف انہوں نے کئی صفحات یہ ثابت کرنے پر لکھ ڈالے کہ سلمان تاثیر نے توہین رسالت کے بنیادی قانون پر تنقید نہیں کی تھی بلکہ ضوابطی قانون پر بات کی تھی حالانکہ وہ یہاں بھی درست نتیجے تک نہیں پہنچے جس کی نشاندہی ہم آئندہ سطور میں کریں گے ۔ یہاں صرف یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ جج صاحبان اس بات پر واضح نہیں کہ وہ بنیادی قانون کو کالا کہنے کو بھی توہین سمجھتے ہیں یا اس پر بھی نصوص کی تلاش میں ہیں یا ان کا نکتہ نظر یہ ہے کہ ضوابطی قانون پر تنقید کرنا توہین رسالت کے زمرے میں نہیں آتا؟

7- مخفی اور ملفوف توہین قابل مواخذہ ہے:

فاضل جج صاحبان کا یہ کہنا کہ اپیل کنندہ کے فاضل وکلاء کی طرف سے کی گئی توہین رسالت کی تعریف اس ضمن میں موجود 295.c کے دائرے سے باہر ہے ایک ایسی بات ہے جس کی ٹانگیں کٹی ہوئی ہیں اور وہ زمین پر کھڑی نہیں ہو سکتی کیونکہ اس قانون کے متن میں یہ بات بصراحت موجود ہے کہ مخفی یا ملفوف توہین یا بالواسطہ توہین بھی قابل مواخذہ ہے لہٰذا اس قانون کی معقول تشریح وتعبیر سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ سلمان تاثیر کا ناموس رسالت کے قانون کو کالا کہنا 295.c کے تحت بھی اہانت ہے، جیسا کہ ہم نے اوپر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے واقعہ کے حوالے سے ذکر کر دیا ہے۔

4- بنیادی اور ضوابطی قوانین میں فرق:

ہم نے اوپر ذکر کیا کہ عدالت نے اپنے فیصلے میں یہ بھی کہا ہے کہ قانون توہین رسالت پر تنقید (حالانکہ سلمان تاثیر نے تنقید نہیں تنقیص کی تھی) توہین رسالت نہیں ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی مؤقف اختیار کیا کہ کسی بھی مذہبی معاملے میں انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین میں بہتری چاہنا تا کہ اس قانون کا نفاذ بہتر اور مناسب طریقے سے ہو سکے اس سے مراد یہ نہیں ہو گا کے قانون کے مذہبی پہلو کو تنقید کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ عدالت نے یہاں حدود کے قوانین کی مثال دی، جنہیں ملک میں 1979ء میں متعارف کروایا گیا تھا، جس کے بعد معاشرے کے

کمزور طبقات اور اقلیتوں کے خلاف ان کے غلط اطلاق اور استعمال کو روکنے کے لیے تواتر کے ساتھ احتجاج کیے گئے اور بعد ازاں ضوابطی قوانین میں ترامیم بھی کی گئیں تا کہ کسی معصوم اور بے گناہ شخص کو اذیت سے بچایا جا سکے۔ اس کے بعد عدالت نے لکھا:

Keeping in view the strong religious sentiments in our society it ought to be understood quite clearly that any call coming from serious quarters for reform in the laws regarding religion related offences can only be a call for introducing safeguards against misaapplication or missue of such laws by motivated persons and such call is ordinarily not to be construed as a call against the religious aspects of the offences covered by such laws.

(Judgement, Page No. 24)

(ترجمہ) ''معاشرے میں موجود شدید مذہبی جذبات کو مدنظر رکھ کر یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اگر سنجیدہ حلقوں سے کسی قانون میں اصلاح کے لیے مطالبہ آتا ہے بطور خاص مذہب سے متعلق الزامات سے تعلق رکھنے والے قوانین میں تو اس سے مراد صرف یہ ہوگا کہ کچھ حفاظتی اقدام کیے جائیں تا کہ کسی بھی جذبات سے مغلوب شخص کی طرف سے اس کا غلط اطلاق اور استعمال نہ ہو سکے اور بالعموم ایسے مطالبے کو ان جرائم کے مذہبی پہلوؤں کے خلاف نہیں سمجھنا چاہیے جو ان قوانین کے تحت آتے ہیں۔''

عدالت نے توہین رسالت کے قانون 295-c کے تدریجاً مروجہ شکل تک آنے کو بھی اس بات پر دلیل بنایا ہے کہ اس کی ابتدائی شکل قابل اصلاح تھی۔ جبھی تو اس میں ترامیم کے ذریعے اسے مروجہ شکل میں لایا گیا۔ انہوں نے اس امکان کا بھی ذکر کیا ہے کہ مروجہ شکل میں بھی اس قانون میں مزید تبدیلیاں لانے کی بات کی جا سکتی ہے۔

اسی طرح اس کے اطلاق کے حوالے سے ضوابطی قوانین میں بھی

تبدیلیاں لانے کی بات کی جاسکتی ہے۔ پھر عدالت نے ڈان اخبار میں شائع ہونے والی ایک رپورٹ کا ذکر کیا ہے جس میں یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ زیادہ تر توہین رسالت کے مقدمات کی بنیاد جھوٹے الزامات اور مفادات یا ذاتی جھگڑے ہوتے ہیں نہ کہ توہین رسالت کے ارتکاب کے حقیقی واقعات۔

پھر عدالت نے ہائی کورٹ لاہور کے ڈویژن بنچ کے کیس محمد محبوب عرف بوبا بنام ریاست جوکہ PLD2002 لاہور میں 587 کے تحت مذکور ہے، کے فیصلے کے اقتباسات نقل کیے ہیں جن میں اس قانون کے غلط استعمال کا ذکر کیا گیا ہے اس کے بعد معزز عدالت نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے:

In this backdrop any call for reform of the law regarding the offence of blasphemy ought not to be mistaken as a call for doing away with that law and it ought to be understood as a call for introducing adequate safeguards against malicious application or use of that law by motivated persons. (Judgement Page No. 28)

(ترجمہ) ''اس پس منظر میں قانون توہین رسالت میں اصلاح کے لیے کیے جانے والے مطالبے کو غلطی سے ایسے نہیں لینا چاہے کہ یہ قانون سے خلاصی حاصل کرنے کا مطالبہ ہے بلکہ اسے یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ مطالبہ جذبات سے مغلوب لوگوں کی طرف سے اس قانون کے غلط استعمال کے خلاف کافی حفاظتی انتظام متعارف کروانے کا مطالبہ ہے۔''

اسلامی قانون کی تنقیص کو بطور اصول ضوابطی قوانین کی تنقیص نہیں سمجھا جاسکتا:

معزز عدالت کی یہ بات درست ہے کہ بنیادی قانون یعنی Substantive Law اور Procedural Laws پر تنقید میں فرق ہے بطور خاص جب یہ کسی اسلامی قانون پر کی جائے لیکن یہ بات بے حد غیر معقول ہے کہ توہین رسالت یا کسی اور اسلامی قانون پر جب بھی تنقید کی جائے گی یا اس کا استہزاء کیا جائے گا اس سے لازماً مراد یہ ہوگا کہ یہ تنقید اور استہزاء Procedural

Laws پر نہیں ہے اور اس اصل قانون یعنی Substantive Law پر نہیں ہے جس کی بنیاد کتاب وسنت۔

ایسی بات کرنا دراصل قانون توہین رسالت پر استہزا اور اس کی اہانت کا دروازہ کھول دینے کے مترادف ہے بلکہ یہ اسے عدالتی جواز فراہم کرنے کی ہی ایک صورت ہے۔ صاف ظاہر ہے یہاں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ایسا کہنے والے کی مراد کیا ہے اور قرائن سے بخوبی آشکار ہے کہ زیرِ غور معاملہ میں سلمان تاثیر کی مرا Procedural Laws پر تنقید و تنقیص نہ تھی بلکہ وہ 295-c پر ہرزہ سرائی کر رہا تھا جو Substantive Law ہے۔

قانون کب مقدس کہلاتا ہے:

معزز عدالت کا یہ کہنا کہ اس قانون میں ارتقاء اسی طرح ہوا ہے۔ نئے قانون کے ذریعے پہلے سے موجود قانون کو غلط قرار دیا گیا لہٰذا اسے کسی نے گستاخی پر محمول نہیں کیا۔ یہ بات بے حد معصومانہ ہے۔

اصل صورتحال یہ ہے کہ اس قانون کو غلط اسی لیے کہا جاتا رہا کہ یہ کتاب وسنت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کے مطابق نہ تھا اور جب یہ کتاب وسنت کی موافقت میں مروجہ شکل میں آگیا تو اسے تقدس حاصل ہوگیا اور اب اس کے خلاف ہرزہ سرائی توہین رسالت قرار پائی۔ عدالت کو دو باتوں میں فرق کرنا چاہیے تھا، کسی قانون کو کتاب وسنت کے موافق بنانے کے لیے غلط کہنا اور معاملہ ہے جبکہ کتاب وسنت سے اخذ شدہ قانون کو غلط کہنا اور معاملہ ہے۔ عدالت کو یہاں یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہیے تھی کہ کسی قانون کو کتاب وسنت کے موافق نہ کہنا اور بات ہے جب کہ کتاب وسنت سے اخذ شدہ قانون کو کالا قانون کہنا دوسری بات ہے۔ یاد رہے کہ 295.c کو وفاقی شرعی عدالت نے اپنے کئی فیصلوں میں قرآن وسنت کے مطابق سزائے حد قرار دیا ہے۔

یہاں حدود کے معاملے پر قیاس درست نہیں:

معزز عدالت نے قوانین حدود کی جو بات کی ہے اس سے یہ فرق بخوبی آشکار ہو جاتا ہے۔ جب تک اہل علم نے یہ سمجھا کہ حدود کو برا بھلا نہیں کہا جا رہا بلکہ

اس کے تحت Procedural Laws پر تنقید کی جا رہی ہے تا کہ اس کے غلط استعمال سے معصوم اور بے گناہ لوگوں کو بچایا جا سکے تو انہوں نے ایسے لوگوں پر استخفاف شریعت کا فتویٰ لگانے سے اجتناب کیا لیکن ہر معاملے کو حدود کے اس مخصوص معاملے پر ہی قیاس کر لینا کہاں کا انصاف ہے؟ جبکہ اس سے یہ اصول وضع کر لینا کہ جب بھی کسی اسلامی قانون پر تنقید کی جائے گی اسے Procedural Law پر تنقید سمجھا جائے گا سراسر زیادتی بلکہ اصول کے نام پر پرلے درجے کی بے اصولی ہے۔ سلمان تاثیر کے بارے میں فاضل جج صاحب کو کیسے یہ یقین حاصل ہو گیا کہ اس نے Substantive Law کو نہیں بلکہ Procedural Laws کو تنقید کا نشانہ بنایا تھا؟ جبکہ حقائق سراسر اس کے برعکس ہیں جن کا ہم قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کیے دیتے ہیں:

1- سلمان تاثیر کی وضاحت کا معدوم ہونا:

سلمان تاثیر کی طرف سے کوئی بھی ایسی وضاحت ریکارڈ پر موجود نہیں جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہو کہ اس کا ہدف Procedural Laws تھے نہ کہ Substantive Law۔ لہٰذا اندریں صورت عدالت کا یہ تاثر قائم کرنا کہ اس نے Substantive Law کو تنقید کا نشانہ نہ بنایا ایسے ہی ہے جیسے ملزم کی خاموشی اور سکوت سے اپنی مرضی کا مفہوم اخذ کر لیا جائے اور صاف ظاہر ہے یہ خلاف انصاف ہے۔

2-اس کا سزا کو ظالمانہ کہنا:

سلمان تاثیر کا آسیہ مسیح کی سزا کو ظالمانہ کہنا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ وہ Substantive Law پر تنقید کر رہا تھا کیونکہ سزا Substantive Law کے تحت دی جاتی ہے نہ کہ Procedural Laws کے تحت۔

3-اس کا اسے آمر کا بنایا ہوا قانون کہنا:

سلمان تاثیر نے جب قانون توہین رسالت کو کالا قانون کہا تو اس نے اسے آمر یعنی ضیاء الحق کے دور میں بنایا ہوا قانون بھی قرار دیا جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس کا ہدف Substantive Law تھا کیونکہ اس وقت

دفعہ 295-c کو تعزیرات پاکستان کا حصہ بنایا گیا تھا لیکن یہ قانون مروجہ صورت میں بعد ازاں وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کی رو سے بنا تھا اور Procedurals Law تو اس کے بھی بعد بنے اور تب جنرل ضیاء الحق حادثے میں وفات پا چکے تھے۔ گویا مروجہ صورت میں 295.c اور اس سے متعلقہ ضوابطی قوانین ضیاء الحق کی وفات کے بعد بنے لہٰذا اسکی تنقید Substantive Law پر تھی۔

4- ضوابطی قوانین میں ترمیم ہو چکی تھی:

یہ بات بے حد اہم ہے کہ اس سے قبل Procedural Laws میں ترامیم ہو بھی چکی تھیں جن کی وجہ سے توہین رسالت کے تحت کسی بھی مقدمہ کے اندراج سے پہلے ایس۔ پی سطح کے پولیس آفیسر کی ابتدائی انکوائری کو لازم قرار دیا گیا تھا، یہ شاید پاکستان میں رائج قوانین میں سے واحد قانون ہے جس کے تحت اندراج مقدمہ سے پہلے اس قدر اعلیٰ سطحی ابتدائی تفتیش ضروری ہے۔ لہٰذا اب وہ Procedural Laws میں کون سی ترمیم چاہ رہا تھا جبکہ کبھی اس کی طرف سے کوئی ایسی تجویز بھی سامنے نہ آئی۔

5- جھوٹے مقدمات کے تدارک کیلئے مؤثر قوانین موجود ہیں:

جھوٹے مقدمات کا اندراج ہمارے ہاں کئی قوانین کے تحت ہوتا ہے اور اس کے مؤثر سد باب اور تدارک کے لیے ضابطہ فوجداری میں ایسے قوانین موجود ہیں جو جھوٹے مقدمات قائم کرنے والوں کو دی جانے والی مختلف سزاؤں سے متعلق ہیں۔ جن سزاؤں کا تعین حالات و واقعات کی نوعیت کے مطابق کیا جاتا ہے۔ بغرض محال اگر اسے اس حوالے سے کوئی تشویش تھی تو اسے مؤثر قانون سازی کے لیے پارلیمنٹ کو متوجہ کرنا چاہیے تھا نہ کہ ملکی قانون کے تحت مجاز عدالت سے سزا یافتہ مجرمہ کی حمایت کی غرض سے قانون پر ہرزہ سرائی کرنی چاہیے تھی۔ اسی طرح اگر وہ یہ سمجھتا تھا کہ آسیہ مسیح کے خلاف قانون کا غلط استعمال و اطلاق ہوا ہے تو بھی اس کے لیے راستہ یہ تھا کہ اس کے لیے بالائی عدالتوں میں قانونی چارہ جوئی کرتا۔

6- ضوابطی قوانین میں ترمیم کیلئے وہ اپنا منصب استعمال کر سکتا تھا:

یہ بات بھی قابل فہم ہے کہ سلمان تاثیر ایک گورنر تھا اگر اسے

Procedural Laws میں ترامیم مطلوب ہوتیں تو وہ صدر کو سمری بھیج سکتا تھا۔ پارلیمنٹ کو ان تبدیلیوں کے لیے متوجہ کر سکتا تھا۔ 295.c کی اصل روح کو برقرار رکھتے ہوئے Procedural Laws میں اگر کوئی بھی معقول تبدیلی کی جاتی تو کسی کو بھی اعتراض نہ ہوتا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ Procedurals Law میں ترامیم اس کا مدعا ہی نہیں تھا وہ تو Substantive Law میں تبدیلی کا خواہاں تھا اس لئے اس پر ہرزہ سرائی کرتا رہا۔ معزز عدالت نے تو بغیر کسی ثبوت کے یہ نتیجہ اخذ کر لیا کہ سلمان تاثیر نے Procedural Laws پر تنقید کی تھی جبکہ ہم مذکورہ بالا قرائن کے علاوہ ٹھوس شہادتیں بھی پیش کر سکتے ہیں جن کی رو سے یہ بات ثابت ہو سکتی ہے کہ اس نے درحقیقت Substantive Law کو ہدف ملامت بنایا تھا، یہاں صرف دو باتوں کا ذکر کر دیتے ہیں:

(i) سزائے موت کی سزا کو ظالمانہ کہنا:

سلمان تاثیر نے ایکسپریس نیوز پر کامران شاہد کے ساتھ انٹرویو کے دوران یہ کہا کہ قانون توہین رسالت پر نظر ثانی کر کے سزائے موت کی ظالمانہ سزا ختم ہونی چاہیے نیز یہ کہا کہ قرآن کی آیت کے مطابق کسی کو قانون توہین رسالت بنانے کی ضرورت نہیں۔ نیوز لائن میگزین میں جب اس سے سوال پوچھا گیا کہ کیا آپ قانون ناموس رسالت کو ختم کرانے کے حق میں ہیں؟ تو اس نے جواباً یہ کہا کہ اگر میری ذاتی رائے جاننا چاہتے ہیں تو میں اس قانون کو بالکل پسند نہیں کرتا۔ اب فاضل جج صاحبان بتائیں کہ کس کلیئے اور قاعدے کے مطابق اسے Procedural Laws پر تنقید مان لیا جائے؟

(ii) یورپی یونین کا مطالبہ کیا ہے؟

بی بی سی کو انٹرویو دیتے ہوئے اس نے صاف کہا کہ ہم یورپین یونین کے ساتھ تعلقات بڑھانے جا رہے ہیں، وہ انسانی حقوق کو بھی دیکھتے ہیں۔ 2014ء میں ہم مکمل ممبرشپ اور معاشی اندراج کے لیے جا رہے ہیں۔ وہ لوگ اس کے لیے ہماری نگرانی کر رہے ہیں۔ اس طرح کے قانون پاکستان کے لیے اچھے ثابت نہیں ہوں گے اور اب یورپی یونین نے ہماری حکومت کو جو خط لکھا ہے اس میں یہ

مطالبات واضح طور پر موجود ہیں کہ اس قانون کو ختم کیا جائے اور آسیہ مسیح کو رہا کیا جائے۔ اس کے بعد بھی اگر فاضل جج صاحبان یہ سمجھتے ہیں کہ سلمان تاثیر Substantive Law کو ہدف ملامت نہیں بنارہا تھا بلکہ وہ تو Procedural Laws میں اصلاح کی باتیں کر رہا تھا تو پھر کف افسوس ملنے کے سوا کیا چارہ رہ جاتا ہے؟

یہ مختصر شرعی جائزہ بخوبی آشکار کر رہا ہے کہ سپریم کورٹ آف پاکستان کے فاضل جج صاحبان نے اس فیصلے میں اسلامی قوانین کی اہمیت اور فوقیت کا ایک طرح سے انکار ہی کر دیا ہے جو کہ فی نفسہ ملک میں رائج قوانین اور آئین پاکستان سے واضح انحراف ہے۔ مزید برآں انہوں نے توہین رسالت کے نازک مسئلے پر نہ تو جید علماء سے رابطے کی ضرورت محسوس کی اور نہ ہی انہوں نے خود دقت نظر سے زیر بحث مسائل پر اسلامی نقطہ نظر کو سمجھنے کی کوشش فرمائی چنانچہ اس سے واضح اسلامی احکام کی صورت بدل جاتی ہے اور ان کے اطلاقات کی بابت مزید مغالطے پیدا ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا یہ فیصلہ بھی کتاب و سنت اور دستیاب علمی ذخیرے کے مطابق سراسر غیر شرعی ہے۔

علامہ محمد خلیل الرحمٰن قادری

ناظم اعلیٰ، جامعہ اسلامیہ لاہور

نائب ناظم اعلیٰ، ملی مجلس شرعی پاکستان

ممبر، مرکزی رویئت ہلال کمیٹی پاکستان

